بسم اللہ الرحمن الرحیم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ, وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِين, نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِين, أَمَّا بَعْدُ:

48.اللہ تعالیٰ کی پیاری صفات میں سے صفات منفیہ کا بیان

العقیدۃ الواسطیۃ لشیخ الاسلام الامام ابو العباس احمد ابن تیمیہ رحمہ اللہ، شرح فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ۔اور ہم بات کر رہے تھے اللہ تعالیٰ کی صفات الکمال میں سے "الصفات المنفية" (منفی صفات کا بیان)، اور ہم پہنچے تھے ساتویں اور آٹھویں آیت پر، شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"الآية السابعة والثامنة" (ساتویں اور آٹھویں آیت) "وقوله" (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰي عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا﴾ (الفرقان: 1-2)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): ﴿تَبٰرَكَ﴾ کا معنی ہے "تعالى وتعاظم" (وہ بہت بلند ہے اور عظمت والا ہے)۔

اور ﴿الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰي عَبْدِهٖ﴾ (اللہ تعالیٰ نے فرقان کو نازل کیا ہے اپنے بندے پر): یعنی قرآن مجید کو نازل کیا ہے اپنے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔

اور ﴿الْفُرْقَانَ﴾ سے مراد قرآن مجید ہے کیونکہ حق اور باطل کے بیچ میں فرقان ہے، مسلم اور کافر کے بیچ میں اور "البر والفاجر": اچھے اور بُرے کے بیچ میں، اور "الضار والنافع": نفع بخش اور نقصان دہ چیز کے بیچ میں فرقان ہے اور فرق کرنے والا ہے، اور اس کے علاوہ بھی جس چیز میں فرقان لازم آتا ہے تو قرآن مجید ان تمام چیزوں میں فرقان ہے۔

﴿عَلٰي عَبْدِهٖ﴾ سے مراد اللہ تعالیٰ کے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، عبودیت کے اور بندگی کے وصف سے اللہ تعالیٰ نے یہاں پر بیان فرمایا ہے جبکہ اس مقام میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی تنزیل یعنی نازل کرنے کے تعلق سے فرما

رہے ہیں، اور یہ جو مقام ہے قرآن مجید کے نازل ہونے کا یہ بہت ہی بلند اور بہت ہی اشرف مقامات ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے عبودیت اور بندگی کے لفظ سے وصف فرمایا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے (یعنی قرآن مجید اور فرقان کو نازل کرنے کے تعلق سے)۔

اور یہ دیکھا گیا ہے (یعنی شیخ صاحب یہ فرمارہے ہیں) کہ قرآن مجید میں جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بلند درجہ اور شرف (بلکہ سب سے بڑا شرف) بیان کرنا مقصود فرمایا ہے تو عبودیت اور بندگی کے وصف سے بیان فرمایا ہے اُن میں سے قرآن مجید کا نازل کرنا جو ہے بہت بڑا شرف ہے اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے اور ضابطۂ حیات ہے جس میں ہر خیر کی خبر موجود ہے اور ہر شر سے بچنے کا طریقہ بھی موجود ہے، تو قرآن مجید کے نازل ہونے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس وصف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیان فرمایا ہے۔

اور اسی طریقے سے سورۃ الکھف کی پہلی آیت میں: ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِهِ الۡكِتٰبَ﴾ (الکھف:1): اس میں بھی یہی پیغام ہے۔

اور دوسرا مقام دوسری جگہ پر جہاں اللہ تعالیٰ نے بندگی کے وصف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیان فرمایا ہے چیلنج کے وقت جب قرآن مجید کے تعلق سے اللہ تعالیٰ نے چیلنج فرمایا ہے کہ اس جیسی کتاب کوئی بھی لاکر دکھائے جیسا کہ سورہ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا﴾ (اور اگر تم لوگ کسی شک و شبے میں ہو جو کچھ ہم نے نازل کیا ہے اپنے بندے پر (یعنی اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر)) (البقرۃ:23)۔

اور اسی طریقے سے معراج کے موقعے پر یہ بہت بڑا شرف ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے، سورۃ الاسراء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ﴾ إلی آخر الآیۃ (الاسراء:1): ﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ﴾: یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ نے عبد کے وصف سے بندگی کے وصف سے بیان فرمایا ہے۔

اور سورۃ النجم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِہٖ مَاۤ اَوۡحٰی﴾(النجم:10): وہی وحی کی بات ہے قرآن مجید نازل ہونے کی بات ہے۔

تو اس سے یہ دلالت ہمیں ملتی ہے (شیخ صاحب فرماتے ہیں) کہ انسان کو بندگی اور عبودیت کے وصف سے بیان کرنا جو ہے یہ کمال کا معنی اس میں موجود ہوتا ہے، اس کا مطلب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے بارے میں کہے "کہ یہ میرا بندہ ہے" تو یہ سب سے بڑی کمال کی صفت ہوتی ہے اُس بندے کے لیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبودیت ہی حقیقت میں آزادی اور حرّیت ہے کیونکہ یہ قاعدہ ہے "جو اللہ تعالیٰ کی بندگی نہیں کرتا جو اللہ تعالیٰ کا بندہ نہیں ہوتا تو پھر وہ ہر چیز کی بندگی کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا"۔

یعنی انسان کی حقیقت ایسی ہے کہ انسان اُس وقت تک آزاد نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے آپ کو مکمل اللہ تعالیٰ کے حوالے نہ کر دے، جب تک اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حق ادا نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کا بندہ نہیں ہوتا وہ آزاد ہو نہیں سکتا، اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی نہیں کرتا اُس کا حق ادا نہیں کرتا تو یقیناً یہ انسان کسی نہ کسی اور کی بندگی ضرور کرتا ہے۔

اس لیے ابن القیم رحمہ اللہ نے بڑی پیاری بات فرمائی ہے اُن کا جو معروف قصیدہ ہے النونیۃ میں فرماتے ہیں:

"هَرَبوا مِنَ الرِّقِّ الذي خُلِقوا لَهُ ، وَبُلُوا بِرِقِّ النَّفْسِ والشَّيطانِ"((الرِّقِّ کہتے ہیں غلامی کو) دور بھاگے وہ اُس غلامی سے جس کے لیے وہ پیدا کیے گئے، لیکن مبتلا ہوئے اپنے نفس اور شیطان کی غلامی میں (سبحان اللہ))۔

اگر آپ اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حق ادا نہیں کرتے تو پھر نفس اور شیطان کی غلامی کرنی پڑے گی اور جب نفس اور شیطان کا بندہ غلام ہو جاتا ہے تو اس بندے کی زندگی میں کسی خیر کی توقع نہیں کر سکتے آپ، پھر تو وہ دنیا کا غلام بن جاتا ہے دنیا کے ہر حصّہ کا غلام بن جاتا ہے، وہ کھانے پینے کا بھی غلام ہے، وہ خوبصورتی کا بھی غلام ہے، وہ پیٹ کا بھی غلام بن جاتا ہے، وہ بیوی کا بھی غلام بن جاتا ہے، وہ بچوں کا بھی غلام بن جاتا ہے (نعوذ باللہ) کیونکہ اُس نے پیروی اپنے نفس کی ہی کرنی ہے تا وہ اپنے نفس کا غلام بن جاتا ہے! شیطان کا غلام بن جاتا ہے! (نعوذ باللہ)۔

اس لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَفَرَءَيۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰٮهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلۡمٍ﴾ إلى آخر الآية (الجاثیہ: 23)۔ یعنی انسان اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اپنے نفس کو جو ہے اپنا الہٰ بنالیتا ہے!

آپ جانتے ہیں کہ اِلٰہ کا معنیٰ معبود ہے (عبادت سے لیا گیا ہے بندگی سے لیا گیا ہے)، تو جو شخص اپنے نفس کی بندگی کرتا ہے خواہش نفس کے پیچھے لگا رہتا ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر دیتا ہے۔

﴿وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ﴾: اُس کو علم بھی ہے وہ جانتا بھی ہے اس کے باوجود بھی اپنے نفس کی پیروی کرتا ہے اپنے نفس کا غلام بن جاتا ہے، اپنی ہر خواہش پوری کرنا چاہتا ہے، جائز اور ناجائز اُس کے نصب العین میں ہے ہی نہیں اُس کو کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ میرے اس قول یا فعل سے میرا ربّ مجھ سے راضی ہوتا ہے یا ناراض ہوتا ہے بس اُس نے وہ کرنا ہے جو اُس کا جی چاہتا ہے۔ ایسا شخص جو ہے اپنی نفس کا غلام ہوتا ہے اور شیطان کا غلام ہوتا ہے کیونکہ شیطان کا جو سب سے بڑا حربہ جو ہے وہ انسان کا اپنا نفس ہے پتہ ہے آپ کو؟!

شیطان کا جو سب سے بڑا حربہ ہے نا کسی کو گمراہ کرنے کے لیے انسان کی اپنی خواہش نفس ہے اُسے اُجاگر کر دیتا ہے جو انسان کے اندر اپنی شیطانیت چھپی ہوتی ہے اُسے ابھار کر نکال دیتا ہے تو انسان پھر جب اس راہ پر چلنا شروع کر دیتا ہے پھر (نعوذ باللہ) جانوروں سے بدتر ہو جاتا ہے ﴿اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ (الفرقان:44)، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ایسے لوگ جو ہیں وہ جانوروں جیسے ہیں بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے ہیں۔

(نعوذ باللہ من الخذلان، اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے)۔

پھر فرمایا: ﴿لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾ (تاکہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ہیں وہ تمام لوگوں کے لیے ڈرانے والے بن جائیں)۔

اور دوسری آیت میں: ﴿لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ﴾ (الانعام:19): ڈرانے والے جو ہیں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں کس چیز سے ڈراتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرانے والے ہیں، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں، جہنم کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں۔

﴿بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ﴾ (المائدۃ:19): ﴿بَشِيْرٌ﴾ (بشارت دینے والے) ﴿نَذِيْرٌ﴾ (ڈرانے والے)۔ یعنی کہیں ایسا کام نہ کرلو جس کی وجہ سے تم اللہ تعالیٰ کی پکڑ میں آ جاؤ، تو اللہ تعالیٰ سے ڈراتے ہیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے، اللہ تعالیٰ کے غضب سے، اللہ تعالیٰ کے غصے سے، اللہ تعالیٰ کی لعنت سے، جہنم سے، یہ تمام چیزیں جو ہیں

جن سے ڈرایا ہے اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام نے اور اس کا جو سب سے بڑا حق ہے وہ ادا کیا ہے اللہ تعالیٰ کے آخری اور سب سے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔

﴿لِلْعٰلَمِيْنَ﴾ سے مراد جن اور انس (مکلف یہی دو ہیں)۔

اگرچہ جب ہم کہتے ہیں ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الفاتحہ: 1) تو ہم کہتے ہیں "تمام جہانوں کا ربّ" یہاں پر تمام جہاں کیوں نہیں ہے "عالمین" کا لفظ تو ایک ہی ہے؟ نذیر کس کے لیے ہے؟ مکلف کے لیے۔ کیونکہ جو غیر مکلف ہے "عالمین" میں وہ بھی شامل ہے۔ لیکن اسے عموم سے کیوں نکالا گیا ہے؟ کیونکہ باقی تو مکلف نہیں ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ہیں وہ جانوروں کے لیے نہیں مبعوث کیے گئے، در و دیوار کے لیے نہیں، جمادات کے لیے نہیں۔ کس کے لیے مبعوث کیے گئے ہیں؟ مکلفین کے لیے۔ کون ہیں مکلف؟ "الانس والجن" جنہیں ثقلین بھی کہا جاتا ہے۔

ایک اور فائدہ بھی ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں۔ وہ کیسے کہاں سے پتہ چلتا ہے؟ کہاں پر دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں کہیں دلیل ہے اس میں ﴿لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾؟ اگر بعد میں کوئی رسول ہوتا تو پھر وہ ہوتا جو بعد والے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتے کیونکہ ہر نبی اپنی قوم کے لیے مبعوث کیا جاتا ہے، تمام مکلفین کے لیے جس کی بعثت ہو اس کا مطلب ہے کہ اس کے بعد میں کوئی آنے والا نہیں ہے۔

﴿الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾: اس کا معنی پہلے گزر چکا ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں۔

﴿وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ﴾: یہ بھی معنی گزر چکا ہے یہی شاہد ہے جو اصل موضوع ہے ہمارا "صفات سلبیۃ کا بیان" یہ دونوں صفات اس آیت میں موجود ہیں: ﴿وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا﴾: بیٹا نہیں بنایا، اولاد نہیں بنائی: ولد سے مراد بیٹا یا بیٹی دونوں شامل ہیں۔ ﴿وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ﴾: اور ملک میں بھی اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی شریک نہیں ہے (یہ صفات سلبیۃ ہیں)۔

﴿ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ﴾: "الخلق" (پیدا کرنا ہے) "الإيجاد على وجه معين" (کسی خاص معین طریقے پر پیدا کرنا)۔

اور تقدیر جو ہے ﴿فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا﴾: "بمعني التسوية": بنانے کو ہموار کرنے کو کہتے ہیں (تقدیر کا جو لغوی معنی ہے اس میں ہموار کرنا بھی شامل ہے)، یا "القضاء في الأزل" بھی ہے جسے تقدیر مقدر بھی کہتے ہیں اور دونوں صحیح ہیں اور جو پہلا ہے وہ زیادہ صحیح ہے آیت کے اس سیاق وسباق میں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى﴾ یعنی (پیدا کیا اور اچھی ساخت پر ہموار پیدا کیا) (الأعلیٰ: 2)۔

اس آیت میں یا ان آیات میں جو مسلکی فائدہ ہے: سب سے پہلے ہمارے اوپر یہ واجب ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عظمت خوب جان لیں اور تمام نقص اور عیب سے اللہ تعالیٰ کو پاک کریں، جب ہم یہ اچھی طرح جان لیتے ہیں تو پھر ہماری محبت اللہ تعالیٰ کی جو تعظیم ہے وہ مزید بڑھ جاتی ہے۔

اور سورۃ الفرقان کی ان دو آیات میں جو ہمیں فائدہ ہوتا ہے کہ یہ قرآن عظیم ہے اور تمام بندوں کا جو مرجع ہے وہ یہ قرآن ہے، اور اگر کوئی انسان یہ چاہتا ہے کہ اُس کے لیے تمام چیزیں کھل کر واضح ہو جائیں تو اس کو چاہیے کہ وہ قرآن مجید کی طرف واپس پلٹے اور رجوع کرے قرآن مجید کی طرف کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو فرقان بیان فرمایا ہے:

﴿الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ﴾ (الفرقان: 1)۔

یعنی اگر آپ حق اور باطل کے بیچ میں کنفیوژ (Confuse) ہیں کہ پتہ نہیں حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، صحیح کیا ہے غلط کیا ہے، خیر کہاں پر ہے شر کہاں پر ہے، اچھا کون ہے بُرا کون ہے، تو پھر کہاں جائیں گے آپ؟ کس سے پوچھیں گے آپ؟ کہاں سے پتہ چلے گا آپ کو؟ الفرقان سے، جو فرق بیان فرماتا ہے مکمل وضاحت کے ساتھ ان تمام چیزوں کے بیچ میں۔ جیسا کہ دن اور رات میں آپ فرق اچھی طرح جاتے ہیں قرآن مجید میں ان تمام چیزوں کا ذکر اسی طریقے سے بیان کیا ہے۔ کیوں وجہ کیا ہے؟

(۱) ایک تو آخری کتاب ہے اس کے بعد کوئی کتاب آنے والی نہیں ہے۔

(۲) دوسرا عربی زبان میں ہے اور عربی زبان سے فصیح کوئی زبان نہیں۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ نازل ہوئی ہے اللہ تعالیٰ کے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جن کو اللہ تعالیٰ نے فصاحت اور بیان کا سب سے بلند درجہ عطا فرمایا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو اخلاق ہیں، شخصیت ہے، اُن کا جو بولنے کا انداز ہے یعنی سب نور علیٰ نور ہے (سبحان اللہ)۔

یعنی کسی کے پاس کوئی جواز باقی نہیں بچتا کہ وہ قرآن مجید کو چھوڑ اس فرقان کو کسی اور جگہ پر تلاش کرے۔تورات میں دیکھ لیں نہیں ملے گا آپ کو کیوں؟ تحریف شدہ ہے۔اپنے زمانے کی سب سے اچھی کتاب تھی تورات یاد رکھیں، یہ قاعدہ اور اصول ہے۔اللہ تعالیٰ کا پاک کلام کسی کتابی شکل میں کسی نبی پر نازل ہوا ہو وحی جو ہے اپنے زمانے کے لیے سب سے عظیم پیغام ہوتا ہے اور سب رجوع اسی پیغام کی طرف کرتے ہیں اپنے مسائل حل کرنے کے لیے۔

یا اگر کسی چیز میں اشکال، ابہام یا کوئی کنفیوژن (Confusion) ہو کہاں سے دور ہوتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کے پاک کلام سے چاہے وہ تورات کی شکل میں ہو، یا انجیل، یا قرآن مجید، لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ تورات کے زمانے میں تورات سب سے اچھی کتاب تھی، تحریف ہوئی تورات میں تو انجیل آگئی سب سے اچھی کتاب اپنے زمانے کی، اور پھر جب انجیل میں بھی تحریف ہوئی پھر قرآن مجید اُترا آخری پیغام اللہ تعالیٰ نے خود ذمہ لیا ہے حفاظت کا ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (الحجر:9): کوئی تبدیل کر نہیں سکتا کوئی تحریف کر نہیں سکتا آخری پیغام ہے آخری کتاب ہے، جو پہلی کتابیں ہیں اُن کا خلاصہ قرآن مجید میں موجود ہے (سبحان اللہ)۔

اس لیے قرآن مجید ہی واحد کتاب ہے دور حاضر میں اور تا قیامت رہے گی اس عظیم کتاب کو کوئی چیلنج کر نہیں سکتا! اللہ تعالیٰ کا یہ چیلنج ہے کہ اس جیسی کتاب تو لا کر دکھاؤ! نہیں لے کر آ سکتے دس سورتیں تو لے کر آؤ! اچھا ایک سورت تو لے کر آؤ! جو پیغام آپ کو ایک سورت میں ملتا ہے وہی پیغام آپ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ اُن سے کم یا اُن سے بہتر الفاظوں میں آپ کسی صورت میں بھی بیان کر کے دکھائیں (سوال ہی نہیں پیدا ہوتا!)۔کیوں؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا پاک کلام ہے اور فرقان ہے حق اور باطل کے بیچ میں اور تمام اُن اُمور کے بیچ میں جن میں فرقان کا ہونا لازم ہوتا ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): "المسلكية التربوية": جو فائدہ ہمیں ملتا ہے ان آیات میں ہماری جو محبت ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اس کی مزید تاکید ہوتی ہے اور محبت میں مزید اضافہ

ہوتا ہے وہ محبت بڑھ جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور جو پیغام اللہ تعالیٰ نے جو رسالت نازل فرمائی ہے وہ لوگوں تک پہنچایا ہے اور اس کا حق بھی ادا کیا ہے۔

اور ہمیں یہ بھی فائدہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم آخری نبی ہیں اور جو بھی نبی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی دعویٰ کرے گا کوئی شخص کہ میں نبی ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تو اس کا دعویٰ جھوٹا ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ لِلْعٰلَمِيْنَ ﴾، اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی رسول ہوتا تو اُس کی رسالت اِس رسالت سے ختم ہو جاتی، اور تمام لوگوں کے لیے تمام عالمین کے لیے نہ ہوتی۔

اگلی دو آیتیں ہیں نویں اور دسویں آیت، شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "الآية التاسعة والعاشرة": یہ تمام آیات جو ہم بیان کررہے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی صفات منفیۃ کے بیان کے تعلق سے ہیں اور دلائل ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ (المؤمنون:91-92)۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نفی فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اولاد بنایا ہے یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور اِلہ ہو، اور اس کی تاکید حرف النفی کے داخل ہونے سے ہوتی ہے ﴿ مِنْ ﴾ سے، ﴿ مِنْ وَّلَدٍ ﴾، یا ﴿ مِنْ اِلٰهٍ ﴾، کیونکہ جو زیادہ ہے حرف الجر میں سیاق النفی میں تاکید کے لیے ہوتا ہے۔

یعنی شیخ صاحب یہ فرمارہے ہیں کہ: ﴿ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ ﴾: ان آیات کی ابتداء میں ہی یہ دلیل موجود ہے جو اصل ہمارا موضوع ہے کہ "صفات منفیۃ کا ذکر"۔

﴿ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ ﴾: تو یہاں پر تو صفات سلبیۃ ہیں (یا منفیۃ ہیں)۔ کس چیز کی نفی کی جارہی ہے؟

(۱) کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں ہے اس کی نفی کی گئی ہے، کہ کوئی اولاد نہیں ہے نہ بیٹا ہے نہ بیٹی ہے۔

(۲) ﴿ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ ﴾: اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اِلہ بھی نہیں ہے کوئی معبود بھی نہیں ہے، اس کی بھی نفی کی گئی ہے۔

توصفات منفیۃ آگئیں۔

توشیخ صاحب (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: یہاں پر حرف الجر ﴿مِنۡ﴾ جو ہے یہ کیوں بیان ہوتا ہے؟ ﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنۡ وَّلَدٍ﴾ یہ پہلے بھی آیت میں آیا ہے، تو ﴿مِنۡ﴾ سے تاکید زیادہ آتی ہے۔

اور پھر ﴿مَا﴾ جو ہے نافیہ ہے، اور ﴿وَّلَدٍ﴾ جو ہے نکرۃ ہے "**نكرة في سياق النفي تفيد العموم**"۔

اسی طریقے سے ﴿وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنۡ اِلٰهٍ﴾: ﴿مَا﴾ نافیہ ہے، اور ﴿اِلٰهٍ﴾ نکرۃ ہے: یعنی کسی قسم کی اولاد اور کسی قسم کا اِلٰہ ان تمام چیزوں کی نفی کی گئی ہے۔

﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنۡ وَّلَدٍ﴾: یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی اولاد نہیں بنایا، نہ عزیر، نہ مسیح ابن مریم (علیہم الصلاۃ والسلام)، اور نہ ہی فرشتے، نہ ان کے علاوہ کوئی اور کیونکہ اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے، اور جب اس کی نفی ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں ہے تو من باب اولیٰ اللہ تعالیٰ والد بھی نہیں ہے۔

یعنی جب اولاد کی نفی ہو گئی ہے کیا اللہ تعالیٰ والد ہے؟ کوئی پوچھے آپ سے کہ اللہ تعالیٰ والد ہے جواب؟ دلیل ﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنۡ وَّلَدٍ﴾۔ جن آیات میں ولد کی نفی ہے اُن ہی آیات میں باپ ہونے کی نفی بھی تو ہے کہ نہیں کیونکہ جس کی کوئی اولاد نہیں ہے وہ والد کیسے ہو سکتا ہے؟! تو دونوں کی نفی ہے، اس لیے کہتے ہیں من باب اولیٰ۔

والد پر ہاتھ اٹھانا جائز ہے؟ نہیں۔ قرآن مجید میں کوئی دلیل ہے کہاں پر ہے؟ ﴿فَلَا تَقُلۡ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡهَرۡهُمَا﴾ (الاسراء:23)۔ کوئی کہے کہ یہاں پر "اُف" سے منع کیا گیا ہے نا یہ کہاں پر ہے کہ ہاتھ نہ اٹھاؤ؟! یعنی جس ربّ نے "اُف" سے منع کیا ہے جو زبان سے کم سے کم ناگواری کا لفظ ہے "اُف" پتہ ہے؟! زبان پر یا چہرے پر جو سب سے کم ناگواری ہوتی ہے "اُف" ہی ہوتی ہے جب اُس سے منع کیا گیا ہے تو کیا ہاتھ اٹھانا آپ دور تک بھی نہیں سوچ سکتے! اس لیے من باب اولیٰ جو ہے مارنے سے بھی منع کیا ہے کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ قرآن مجید میں ہے میں "اُف" تو نہیں کہوں گا لیکن میں ہاتھ اٹھا سکتا ہوں، یا (نعوذ باللہ) کوئی ایسا اقدام کر سکتا ہوں!

یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ پیارا پیغام ہے کہ جس کا ذکر نہیں ہے وہاں تک آپ سوچ بھی نہیں سکتے! واضح ہے؟ اسے کہتے ہیں من باب اولیٰ، یا قیاس اولیٰ بھی کہتے ہیں، یا باب اولیٰ بھی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ولد کی نفی تو کی ہے کئی جگہ پر کی ہے والد کی نفی ہے کہ نہیں؟ ﴿لَمْ يَلِدْ ۝ وَلَمْ يُولَدْ﴾ (الاخلاص:3) میں بھی واضح ہے۔

﴿مِنْ إِلَٰهٍ﴾ سے مراد: ﴿إِلَٰهٍ﴾ "بمعنى: مألوه"۔ یہ لفظ کہاں سے آیا ہے إلہ کا لفظ یہ دیکھیں "مألوه"، جیسے "مثل: بناء، بمعنى: مبني"، اور "فراش، بمعنى: مفروش"۔

"المألوه، أي: المعبود المتذلل له": إلہ کا معنی جو ہے معبود سے لیا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی بھی معبود برحق نہیں ہے۔

یہ برحق کا لفظ ہم کہاں سے لے کر آئے ہیں؟ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے نفی کر دی ہے إلہ کی اور یہ فرمایا ہے کہ کوئی بھی إلہ نہیں ہے "نكرة في سياق النفي تفيد العموم": کسی قسم کا کوئی إلہ موجود نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ یا اللہ تعالیٰ کے علاوہ۔

اور جن کو معبود بنایا گیا واقع اس کی گواہی دیتا ہے، لوگوں نے بُتوں کی عبادت کی ہے، چاند اور سورج کی عبادت کی ہے، اولیاء اور صالحین کی عبادت کی ہے، انبیاء کی عبادت کی ہے، درخت اور پتھر کی عبادت کی ہے۔ کی ہے کہ نہیں کی ہے؟ جب یہ معبودات سارے موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ نے نفی کی ہے "کوئی معبود نہیں ہے" تو اس سے مراد کیا ہے کون سا معبود کس کی نفی کی جا رہی ہے؟ معبود برحق کی کہ حق معبود صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا کوئی بھی نہیں ہے۔

باقی جتنے معبودات ہیں وہ سب کیا ہیں؟ معبود تو ہیں وہ۔ کیوں معبود کہاں سے آگئے؟ کیونکہ لوگوں نے معبود بنایا ہے تو ہیں نا! لیکن یہ کون سے معبودات ہیں سارے کے سارے؟ باطل ہیں۔

اس لیے شیخ صاحب فرماتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی بھی إلہ (یعنی معبود) نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہی واحد، سچے اور حق إلہ ہیں اور معبود ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور إلہ ہوتا تو کیا ہوتا؟ ﴿لَّذَهَبَ كُلُّ إِلَٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ (سبحان اللہ)۔

اب عقلی دلیل دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود ہو ہی نہیں سکتا وہ کیسے؟

شیخ صاحب فرماتے ہیں: اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور اِلٰہ ہوتا تو اس کا خاص ملک ہوتا اور اللہ تعالیٰ کا اپنا خاص ملک ہوتا، اور سب یہ کہتے کہ یہ میرا ملک ہے اور میں اپنی مرضی کرنا چاہتا ہوں۔

اگر ان دونوں میں سے ایک کی چلتی دوسرے کی نہیں چلتی ہے تو پھر اِلٰہ کون ہوا غالب یا مغلوب؟ جو غالب ہے۔ عقل کا یہی تقاضہ ہے نا!

وجہ کیا ہے؟ کیونکہ قرآن مجید جن سے مخاطب ہے اُن میں ہر قسم کے لوگ ہیں، اللہ تعالیٰ کا ماننے والے بھی ہیں نہ ماننے والے بھی ہیں، شرک کرنے والے بھی ہیں، اور مختلف معبودات کی عبادت کرنے والے بھی ہیں، تو یہ پیغام سب سے کے لیے ہے۔

جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہی نہیں ہے اُس کا تو یہ بیان ہی غلط ہے شروع سے! تم کہاں سے آئے ہو تمھیں کس نے پیدا کیا ہے؟! لیکن یا تو اپنے آپ کو تم پیدا کرنے والے ہو یا کسی اور نے تمھیں پیدا کیا ہے ﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ﴾ (الطور:35): عقلی دلیل سے مارے گئے! کیونکہ انسان اپنے وجود سے اپنے ربّ کی نفی کر ہی نہیں سکتا اُس کو پتہ ہے کہ میں خود دنیا میں نہیں آیا ہوں تو کسی اور نے پیدا کیا ہے، جس نے پیدا کیا ہے وہی خالق ہے، جو خود پیدا ہوا ہے وہ خالق ہو نہیں سکتا وہ تو مخلوق ہے۔

اسی طریقے سے اِلٰہ جو ہے: اب ایک اِلٰہ کہتا ہے دن ہونا چاہیے، دوسرا کہتا ہے رات ہونی چاہیے، اب ایک وقت ہو گا یا دن یا رات اب ہیں دو یا دو سے زیادہ ہیں اب کس کی چلے گی؟ اگر سب کی ایک دفعہ چلے تو نہ دن ہو نہ رات ہو کیا خیال ہے؟! اگر سب کی برابر پاور (Power) ہو نا نہ دن ہو نہ رات ہو کچھ ہو نہ!

اگر دن رات بھی موجود ہے اور ایک ہی وقت میں ہے، سورج نکلتا ہے مشرق سے دوسرا کہتا ہے مغرب سے نکلنا چاہیے کس کی چلے گی؟ جو غالب ہے اُس کی چلے گی نا!

جب سے کائنات آئی ہے سورج کہاں سے نکلتا ہے؟ مشرق سے۔ کبھی مغرب سے نکلا ہے؟ نہیں نکلا ہے۔ مغرب سے جب نکلے گا تو قیامت کی نشانیوں میں سے وہ بھی ہمیں دلیل کے ذریعے پتہ چلا ہے۔

یہ ساری چیزوں کو دیکھ کر اس پوری کائنات کے اس منظم نظام اور سسٹم کو دیکھ کر جو بڑی ترتیب اور پیارے انداز میں سسٹم چلا رہا ہے یہ کس کی طرف دلالت کرتا ہے ؟ کہ ایک ہی خالق ہے ایک ہی مالک ہے ایک ہی اِلٰہ ہے، دو ہو ہی نہیں سکتے ! آپ تین چار پانچ یا دس کو تو چھوڑیں نا دو نہیں ہو سکتے سوال ہی نہیں پیدا ہوتا !

کیونکہ دنیا کے معاملات میں آپ دیکھتے ہیں کہ دو بادشاہ اگر ہیں اور دو برابر کی طاقت رکھتے ہوں تو پھر فساد ہوتا ہے، سوال نہیں پیدا ہوتا کہ کبھی سکھ کا سانس کوئی دیکھ سکے ! جب غالب اور مغلوب ہو جاتا ہے تو غالب وہی پھر بادشاہ ہوتا ہے اور باقی مغلوب ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اس پورے سسٹم کو دیکھ کر (سبحان اللہ) یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد سچا ربّ ہے اور وہی واحد سچا معبود ہے۔

اگر دونوں عاجز ہو جائیں تو عاجز میں کوئی اِلٰہ ہو سکتا ہے کیا؟ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

شیخ صاحب نے چند مثالیں دی ہیں چاند کی اور سورج کی مثال، تو عقلی دلیل سے یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہی واحد سچا معبود ہے۔

پھر یہ ممکن ہے کیا کہ دونوں صلح کر لیں اور اُن میں سے ہر معبود اپنا نظام چلانا چاہے ؟

شیخ صاحب فرماتے ہیں: ''أنه لو أمكن ووقع، لزم أن يختل نظام العالم'': یہ ممکن ہے تو عالم کا پورا نظام درہم برہم ہو جائے ، سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اُن کا آپس میں صلح کرنا کس چیز کی دلالت ہے ؟ ڈر کی کہ نہیں ؟ ڈر ہوتا ہے نا، انسان صلح کس سے کرتا ہے ؟ ! طاقتور کب صلح کرتا ہے مجھے بتائیں ؟ جب اُسے خوف ہوتا ہے کسی چیز کا۔

اور ان چیزوں کی اللہ تعالیٰ کے لیے بالکل نفی ہے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جو ڈر گیا وہ کہاں ربّ ہو سکتا ہے وہ کہاں مالک ہو سکتا ہے ! تو یہ بھی ناممکن ہے !

تو دیکھیں عقل کے اعتبار سے جہاں سے بھی دیکھیں آپ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا !

اسی لیے پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿سُبۡحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ﴾ ۔

اختتام کس چیز سے کیا ہے ؟﴿سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ﴾ : کہ اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی ہے اور تنزیہ ہے ان ملحدوں اور مشرکوں کی باتوں سے جو یہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے تعلق سے ایسی باتیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے درست نہیں ہیں اور زیب نہیں دیتی ہیں۔

﴿عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ : غیب وہ جو لوگوں سے غیب میں ہے جو لوگوں کو نظر نہ آئے، اور الشھادۃ وہ جو لوگ دیکھتے ہیں اس کا مشاہدہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے عالم الغیب اور شھادۃ کو۔

﴿فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ﴾ : اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے اور پاک ہے ہر اُس چیز سے جسے یہ لوگ جو ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔

اور ان دونوں آیات میں جو صفات النفی میں سے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نفی فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد ہے اور شریک سے بھی اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے شریک سے بھی (ان دونوں کی نفی کی گئی ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بے پرواہی جو کمال غناہ ہے اللہ تعالیٰ کا وہ ثابت ہوتا ہے ربوبیت میں اور الوہیت میں بھی۔

اور مسلکی فائدہ جو ہوتا ہے عملی فائدہ جو ان آیات سے ہمیں ملتا ہے کہ ان چیزوں پر ایمان جو ہے اللہ تعالیٰ پر اخلاص کرنے پر انسان کو آمادہ کر دیتا ہے، انسان اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص ہو جاتا ہے، اس کا اخلاص مضبوط ہو جاتا ہے جب اس کو پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں ہے۔

اولاد کی نفی کیوں کی ہے ؟ کسی کا محتاج نہیں ہے، شریک کی نفی اس لیے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں ہے۔

دیکھیں مخلوق میں عام طور پر جس شخص کی اولاد نہ ہو وہ کمزور سمجھا جاتا ہے ایسا ن ہوتا ہے نا؟ !

بیٹے کی کیوں خواہش ہوتی ہے ؟ کیونکہ بیٹا سہارا بنتا ہے۔ سہارے کی کس کو ضرورت ہوتی ہے طاقتور کو یا کمزور کو؟ کمزور کو، حقیقت ہے یہ !

شریک کی کس کو ضرورت ہوتی ہے کہ میرا کوئی پارٹنر (Partner) ہو؟ جو نہ کر سکے اکیلا نا! تو اس لیے آپ کو کسی شریک کی ضرورت پڑ جاتی ہے کہ چلو نفع میں بھی برابر ہو، نقصان جو برداشت نہیں کرتا نا تو پھر نقصان بھی برابر ہو گا نفع بھی، چلو کم نفع و نقصان تو بٹ جائے گا نا۔

تو کہیں نہ کہیں پر کسی خوف، ڈر، کمزوری کی یہ سب علامات موجود ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دونوں کی نفی کر دی ہے "لکمال غناہ سبحانہ وتعالیٰ"۔ جب آپ کو یہ علم ہو جاتا ہے تو اخلاص کیسا ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کے لیے۔

تو اصل پیغام یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نفی کرتا ہے صفات منفیۃ میں تو ایمان، اخلاص، تقویٰ مضبوط ہوتا ہے، اصل یہ بات ہے۔

اگلی آیت (گیارہویں آیت) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَلَا تَضۡرِبُوۡا لِلّٰہِ الۡاَمۡثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ﴾ ((یعنی) اللہ تعالیٰ نے نفی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں بیان نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور تم لوگ نہیں جانتے ہو) (النحل:74)۔

یعنی یہ مت کہو کہ اللہ تعالیٰ فلاں چیز کی مانند ہے، فلاں چیز کی مانند ہے (یا مثل ہے) اور عبادت میں اللہ تعالیٰ کی کسی کو شریک نہ کرو، یا کسی بھی اعتبار سے۔

اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی مثل نہیں ہے اور تمہیں یہ خبر بھی دی ہے کئی آیات میں ﴿لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ﴾ (الشوریٰ:11)، ﴿وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ﴾ (الاخلاص:4)، ﴿ہَلۡ تَعۡلَمُ لَہٗ سَمِیًّا﴾ (مریم:65)، اور یہ تمام چیزیں گزر چکی ہیں اور اس طرح کی کئی آیات میں اس کی نفی کی ہے، تو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جبکہ تم لوگ یہ چیزیں نہیں جانتے۔ اور کچھ نہیں جانتے۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی بھی مثل نہیں ہے تو اس سے یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ ہمارا علم کتنا کمزور ہے ہم خود کتنے کمزور ہیں! اس لیے اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟ "اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہو اور تم لوگ نہیں جانتے ہو"۔ کیوں نہیں جانتے ہو؟ کیونکہ آپ کی رسائی وہاں تک جا نہیں سکتی!

دیکھیں نا جن لوگوں نے ٹھوکریں کھائی ہیں اسماء وصفات کے باب میں جتنے بھی منکرین اسماء وصفات ہیں اللہ تعالیٰ کے پتہ ہے ٹھوکر کہاں سے لگی ہے سب کو؟ سب سے پہلے کون سی غلطی انہوں نے کی ہے جس کی وجہ سے اتنی بڑی غلطی کر بیٹھے اور توحید کی تیسری قسم کے انکاری ہو گئے؟ یا اُن سے کوئی نہ کوئی غلطی ہوئی ہے سب سے بڑی وجہ جانتے ہیں کون سی ہے کیا ہے؟ **تشبیہ**، اُن کے ذہن میں سب سے پہلے تشبیہ آئی۔

انہوں نے کہا: "اگر ہم مان لیں کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے نام بھی ہیں اسماء الحسنیٰ ہیں تو مخلوق کے بھی تو نام ہیں نا (تشبیہ دیکھیں کیسے شیطان اپنا کام کرتا ہے!)، اگر ہم مان لیں کہ اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں مخلوق کے بھی دو ہاتھ ہیں (انسان کے دو ہاتھ ہیں) اگر مانتے ہیں ان اسماء وصفات کو تشبیہ لازم آتی ہے تو اس لیے ہمیں انکار ہی کرنا پڑے گا یہ سلامتی کا راستہ ہے"۔

پھر دوسرے آئے جو مشبہۃ ہیں، کہتے ہیں: "نہیں، ہم مانتے ہیں کہ خالق کی جو صفات ہیں مخلوق جیسی ہی ہیں، تم تو انکار کرتے ہو نا ہم اتنا مانتے ہیں تم سے زیادہ حد پار کر کے ہم تشبیہ کی بنیاد پر مانتے ہیں"۔

پھر اُنہوں نے جنھوں نے انکار کیا انہوں نے کہا: "دیکھیں انکار تو ہم بھی مکمل نہیں کر سکتے ہیں نا، جب قرآن مجید میں آ گیا ہے تو ایسا کریں تعطیل کے ساتھ تحریف بھی آ گیا ہے پھر لفظ کی تحریف کر دیں تاویل کے نام پر، ہاتھ تو ہیں قرآن مجید میں کیسے ہم انکار کر سکتے ہیں لیکن عربی زبان میں ہاتھ کو نعمت اور قدرت سے بھی بیان کیا گیا ہے تو اس لیے نعمت اور قدرت کی بات کریں اور اس کو چھوڑیں آپ"۔ وہاں پر چلے گئے!

کسی اور عقلمند نے آ کر کہا: "کہ نہیں ایسے کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے اس کا ہم انکار نہیں کر سکتے، اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے اللہ تعالیٰ کا علم ہے اللہ تعالیٰ کی علم الگ ہے اور مخلوق کا علم الگ ہے، اللہ تعالیٰ کا علم اُزلی ہے مخلوق کا علم حادِث ہے جبکہ جہل تھا بعد میں یا ہے تو مشابہت تو ہو نہیں سکتی اس لیے عقل کا یہ تقاضہ ہے صرف اُن چیزوں کا ہم مانیں گے جن کی دلیل موجود ہے عقل میں بھی اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن اور صحیح حدیث میں بھی دلیل موجود ہے"۔ (قرآن مجید نے جس کو بیان کیا ہے اور عقل بھی اس کی گواہی دیتی ہے اس کو مانیں گے)۔

تو پھر سات صفات بیچ میں آ گئیں!

کسی اور عقلمند نے کہا: "کہ نہیں، سات نہیں آٹھ صفات"۔

یہ کیا ہو رہا ہے سارا پتہ ہے؟! کہاں سے بات شروع ہوئی تھی؟ شیطان سے سب سے پہلا زہریلا بیج کیسے بویا تھا کیا وجہ تھی؟ تشبیہ۔

اللہ تعالیٰ نے کیا بیان فرمایا ہے؟ مثل کو ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ اس کو جڑ سے ہی ختم کر دیا، جب اللہ تعالیٰ کے کوئی چیز مثل ہے ہی نہیں!

اچھا تشبیہ سے زیادہ معتبر جو لفظ ہے (بہتر ہے) عربی زبان میں مثلیت کا لفظ ہے کیونکہ تشبیہ تو ہر اعتبار سے ہوتی ہے، مثلیت اُس سے زیادہ بڑا لفظ ہے، یعنی ذرّہ برابر کسی اعتبار سے بھی تشبیہ ممکن ہی نہیں ہے آپ تو بڑی چیزوں میں تشبیہ کی بات کرتے ہیں نابرابری کی بات کرتے ہیں یا ایک جیسی چیزیں ہونے کی بات کرتے ہیں!

تو اللہ تعالیٰ نے جب مثلیت کی نفی کر دی ہے اور مختلف انداز میں دیکھیں آپ: ﴿لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَيۡءٌ﴾، ﴿وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾، ﴿هَلۡ تَعۡلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾ مختلف انداز میں۔

تو پیغام اصل کیا ہے؟ کہ اگر آپ اپنا علاج کروالیں ناشروع سے ہی اور مثلیت کو ختم کر دیں ﴿لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَيۡءٌ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ﴾ باقی کیا بچتا ہے؟! اقرار ہے کہ نہیں صفات کا؟

اگر آپ اپنے اندر سے اس جو موذی مرض ہے نکال دیں تشبیہ والی اور باہر پھینک دیں باقی کیا بچتا ہے مجھے بتائیں؟ تشبیہ والے بھی گئے (وہ تو شروع سے گئے) جو تعطیل (انکار) کرنے والے ہیں باقی رہیں گے؟ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اگرچہ وہ تشبیہ کے بالکل منکر ہیں لیکن بنیادی طور پر اُن کا اصل جو قاعدہ اور اساس ہے وہ تشبیہ پر قائم ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: اس لیے اللہ تعالیٰ نے نفی فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور تم جانتے نہیں ہو اگر اس حقیقت کو جان لیتے تم سے کبھی غلطی نہ ہوتی۔

اور جاہل عالم کی طرح ہو نہیں سکتا اس لیے جب تم جاہل ہو تو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تو تمہیں ربّ کی ماننے پڑے گی کوئی اور راستہ نہیں تمہارے لیے سلامتی کا صرف ایک ہی راستہ ہے۔

اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے (شیخ صاحب فرماتے ہیں) کہ انسان اپنے علم کے اعتبار سے اپنے گریبان میں اگر جھانک کر دیکھ لے تو وہ کیا جانتا ہے؟! اور اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر اس کی نفی کی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَمَا تَدۡرِيۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَكۡسِبُ غَدًا﴾ (اس کو نہیں پتہ (انسان) کل کیا کرنے والا ہے) (لقمان:34)۔

کسب سے مراد صرف یہ نہیں کہ آپ نے روزگار جانا ہے، ڈیوٹی والے ڈیوٹی پر جائیں گے، میں کلینک میں جاؤں گا مجھے پتہ ہے مریض دیکھنے ہیں میں نے، اور آپ اپنے اسکول میں جائیں گے بچے پڑھانے آپ نے اور کیا کرنا ہے! تو کسب صرف اس حد تک نہیں ہے، کسب کا معنی اس سے زیادہ وسیع ہے یہاں تک کہ آپ نے کون سے اچھے عمل کرنے ہیں

اور کون سے بُرے عمل کرنے ہیں یہ سب اس میں شامل ہیں۔

کون سی آپ نے نیکیاں کرنی ہیں کل پتہ ہے آپ کو؟ فرائض تو ہم کرتے ہیں کس گناہ سے آپ نے بچنا ہے۔ایک پلاننگ آپ کرتے ہیں بعض چیزیں اچانک ہو جاتی ہیں (سامنے آجاتی ہیں)! تو اس لیے ہم یہ نہیں جانتے کہ کل ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے، مختصر بات ہے۔

پتہ ہے ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟ اس کی گارنٹی ہے کہ کل ہماری سانسیں جاری ہوں گی ہم بات کر رہے ہوں گے کیا گارنٹی ہے اس کی؟!

انسان اتنا کمزور ہے علم کے اعتبار سے کہ اسے یہ بھی نہیں پتہ (اس سے بڑھ کر بات) اس کی روح جو اس کے اندر ہے، وہ ہے کیا؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟ ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ﴾ (الاسراء:85): اس سے بڑا کوئی چیلنج ہے؟!

انسان آسمانوں کو جا کر چھو کر آیا ہے، چاند کی طرف کہتے ہیں چلا گیا ہے مارس (Mars) کی طرف جانا چاہتا ہے، پتہ نہیں زمین میں غوطہ لگا کر سمندر کی تہہ تک جا کر پہنچا ہے، سب میرین (Submarine) بنائی ہے، راکٹ سائنس وہاں موجود ہے، پتہ نہیں ٹیکنالوجی ہے یہ اسمارٹ فون وغیرہ، اور ہم کہتے ہیں کہ انسان بہت بڑا درجہ رکھتا ہے علم میں ٹیکنالوجی میں۔

کوئی شک نہیں ہے کچھ نہ کچھ رکھتا ضرور ہے لیکن سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ آپ کی حقیقت کیا ہے روح جو آپ کے اندر ہے جس سے آپ زندہ ہیں؟!

دیکھیں سب سے بنیادی بات ہم زندہ کیوں ہیں اس وقت؟ وہ کون سی چیز ہے جب ہم سے سلب کر دی جاتی ہے نکال لی جاتی ہے ہم مردہ ہو جاتے ہیں؟ وہ کیا ہے دل ہے دماغ ہے پھیپھڑے ہیں گردے ہیں جگر ہے جسم کا وہ کون سا حصہ ہے؟ روح۔ صرف روح ہے اُس کے نکلنے سے یہ تمام سسٹم ختم ہو جاتا ہے۔ دل بھی رُک جاتا ہے، دماغ بھی ختم وہ جاتا ہے، گردے یہ پھیپھڑے یہ جگر سب۔

اچھا سوال یہ ہے کہ روح کیا ہے؟ سائنس دانوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے کہ کہیں سے پتہ چل جائے روح کیا ہے پتہ چلا ہے؟! نہیں۔ عجیب سی بات ہے!

دنیا میں کتنے ریسرچ سینٹر موجود ہیں انتھک محنت کر رہے ہیں، ملینز، بلینز ڈالرز بھی خرچ کر چکے ہیں کہ روح کا پتہ چل جائے۔

پتہ ہے کہ سب سے بڑی ریسرچ آج بھی جو ہو رہی ہے وہ نیوکلیئر ویپنز (Nuclear Weapons) کی نہیں ہو رہی وہ روح کی ہو رہی ہے کہ پتہ چلے۔ پتہ ہے وجہ کیا ہے؟ اگر روح کا پتہ چل گیا تو مردہ زندہ ہو جائے گا کہ نہیں؟ اس تاڑ میں لگے ہیں لوگ! زندگی موت تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ تو ناممکن ہے لیکن وہ اس تاڑ میں ہیں کہ اگر اس حقیقت کا پتہ چل جائے کیا ہے۔ وہ یہ سمجھ رہے ہیں بے چارے کہ جیسے انجکشن لگا کر مریض کا مرض ختم ہو جاتا ہے وہ اس روح کو لگا کر کسی کو زندہ کر دیں گے بے چارے! سوال ہی نہیں پیدا ہوتا!

عجب بات دیکھیں اپنے زمانے کے سب سے بدترین لوگوں نے سب سے عظیم انسان سے یہ سوال کیا ہے! پوری کائنات میں جو سب سے عظیم ہیں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہودیوں نے سوال کیا ہے۔ یہودی جانتے ہیں مختلف سوال کیے ہیں بیچ میں یہ سوال بھی کر دیا ہے روح کے تعلق سے، ٹیسٹ لینا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا فرماتے ہیں، اُن کو پتہ ہے کہ روح کا کسی کو علم نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کہ اللہ تعالیٰ نے راز میں رکھا ہوا ہے۔

تو جب یہ سوال ہوا جواب کیا آیا؟ ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ﴾ جواب کیا دیا؟ ﴿قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ﴾: یعنی اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس بات کا علم نہیں کہ روح کیا ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے خاص اپنے علم غیب میں رکھا ہے۔

اس لیے فرمایا: ﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (الاسراء:85): اوقات دیکھیں انسان کی حیثیت دیکھیں کہ علم جتنا بھی ہے ہمارے پاس (یہ ٹیکنالوجی، یہ راکٹ سائنس پتہ نہیں کیا ہے) ﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ﴾ یہ قلیل ہے میرے بھائی! اس کا مطلب ہے کہ انسان اس سے بھی زیادہ بھی ترقی کر سکتا ہے اور جتنی کرتا جائے گا تب بھی کم ہے!

یعنی آج سے بیس سال پہلے جو ٹیکنالوجی موجود نہیں تھی سب سے بڑا علم تھا کہ نہیں؟ پچاس سال پہلے اُس زمانے میں سب سے بڑا علم تھا کہ نہیں؟

فرعون کے زمانے میں چلے جائیں قارون کے زمانے میں چلے جائیں اچھا قارون کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟ کتنا بڑا خزانہ تھا؟ خزانے کو نہیں صرف خزانے کی چابیوں کو اونٹ اٹھایا کرتے تھے انسان نہیں اٹھا سکتے تھے!

یعنی اتنا بڑا خزانہ تھا جو مال ودولت تھی وہ جس خزانے میں موجود تھی اس کی چابیاں تھیں لاک کرتا تھا، اتنی زیادہ اس کی چابیاں تھیں اتنے زیادہ خزانے تھے اس کے کہ انسان نہیں اٹھا سکتے تھے تو اونٹوں پر رکھتا اور گزر کر جاتا لوگ دیکھتے تو حیران ہو جاتے کہ کتنی بڑی دولت ہے اس کے پاس!

اے ٹی ایم کارڈ(ATM Card) دیکھا ہے جو ہم سب کی جیبوں میں ہے، اُس زمانے میں دیکھیں جتنا مال تھا دولت تھی وہ اپنے وقت کا سب سے یعنی بڑا امیر بھی سمجھا جاتا تھا اور کچھ بھی خرید سکتا تھا وہ اپنے زمانے کا لیکن اس سے محروم رہا کہ نہیں؟! ٹیکنالوجی یہاں تک آگئی کہ بلینز ڈالرز(Billions Dollars) بھی اس کارڈ میں موجود ہیں آپ کے!

فرعون کو دیکھ لیں آپ یا اس سے پہلے کوئی بادشاہ بھی جو گزر چکے ہیں ٹھنڈا پانی جو آج ہم فریج میں سے نکال کر پیتے ہیں اُس نے کبھی خواب میں بھی دیکھا تھا کہ ٹھنڈا پانی پیوں گا کبھی میں (یہ فریج والا پانی)؟! سوال ہی نہیں پیدا ہوتا(سبحان اللہ)۔

میرے بھائی اللہ تعالیٰ نے جو آج ہمیں دیا ہے یعنی کم سے کم درجے کے بندے کو دیکھیں نا جس نعیم میں زندہ ہے وہ آج، کل کے بادشاہ بھی اُس سے محروم تھے، اتنا بڑا اکرم ہے اللہ تعالیٰ کا ہمارے اوپر!

میں سواری، گاڑی کی بات نہیں کروں گا، جہاز کی بات نہیں کروں گا، باقی جو ٹیکنالوجی آج یہاں تک پہنچی ہے یہ تمام چیزیں﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾:اُس زمانے میں بھی قلیل تھا، بڑھتا گیا بڑھتا گیا علم کہاں تک پہنچ گیا۔

پھر کسی اور زمانے میں سب سے پہلے جب سائیکل ایجاد ہوئی، پھر موٹر بائیک ایجاد ہوئی، پھر گاڑی ایجاد ہوئی، پھر جہاز ایجاد ہوا، پھر اس طرح کرتے کرتے جو ہے ہر زمانے میں قاعدہ ایک ہے کہ ﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾۔

آج کے زمانے میں کیا کہیں گے آپ بہت علم آگیا ہے ہمیں ؟! ﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ سوال دیکھیں ﴿اُوْتِيْتُمْ﴾ (ہمیں دیا گیا ہے)۔

ہم خود کوئی چارج ہوتے ہیں کیا علم سے ؟! ہم علم حاصل کرتے ہیں توفیق اللہ تعالیٰ دیتا ہے، سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ منع کردے کسی چیز سے اور کوئی وہاں تک رسائی بھی کر سکے، سوال ہی نہیں پیدا ہوتا! علم دیا جاتا ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ محروم نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کافر کو بھی محروم نہیں کرتا، جو اخلاص کے ساتھ کوئی چیز لگن کے ساتھ ڈیڈیکیشن (Dedication) کے ساتھ بندہ کوئی کام کرے اللہ تعالیٰ اُس میں اسے توفیق دے دیتا ہے۔

اخلاص کی ایک چیز بتاؤں میں آپ کو کہ ایک ہوتا ہے دین میں اخلاص، ایک ہوتا ہے دنیا میں اخلاص، کاش کہ ہم اپنے دین میں اتنے مخلص ہوتے جیسا کہ کافر دنیا میں مخلص ہے، آج ہماری حالت یہ نہ ہوتی!

کافر کو اللہ تعالیٰ نے دنیا دی ہے کہ نہیں؟ کتنی دی ہے کیوں؟ وہ اپنے کام میں مخلص ہے، اُس کے لیے دنیا ہے۔ اس لیے بعض لوگ کیا کہتے ہیں؟ کہتے ہیں کہ وہ لوگ سچ بولتے ہیں، ٹائم کے پابند ہیں (جرمن ٹائم)۔ ایسا کہتے ہیں نا؟! جرمن ٹائم کیوں مکہ کا ٹائم کیوں نہیں بھئی؟!

جتنا قرآن مجید میں وقت کی پابندی کا پیغام ہے کسی اور کتاب میں کبھی سنا ہے آپ نے؟ یا کسی دانشور کی زبان سے آپ نے سنا ہے کبھی؟ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا! مسئلہ یہ ہے کہ ہم اُن کی دنیا کو دیکھ کر حیران و پریشان ہو جاتے ہیں اپنے گریبان میں جھانک کر اپنے دین کو نہیں دیکھتے ہم! اُن کی دنیا کیوں بلند درجے پر ہے؟ اور کیوں اُن کے قدموں میں دنیا پڑی ہے (جیسا کہ دو بریکٹس میں اگر کہیں) ویسے تو بے چارے کہیں کے نہیں ہیں نہ دینا کے نہ آخرت کے!)؟ وہ دنیا کے غلام ہیں۔

قاعدہ ابھی بتا چکا ہوں میں کہ جو اللہ تعالیٰ کا غلام نہیں ہے جو اللہ کی بندگی نہیں کرتا تو پھر وہ دنیا کا غلام اور ہر چیز کی بندگی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اُن کو محروم کیوں نہیں کیا؟ کیونکہ یہ قاعدہ ہے یاد رکھ لیں کہ جس چیز کے لیے آپ مخلص ہیں اللہ تعالیٰ اُسے آپ کو میسر کر دیتا ہے، وہ دنیا کے علم میں مخلص ہیں اسی لیے علم میں ہم سے آگے ہیں۔

ہم بیچ والے لوگ ہیں کہ اخلاص میں کمی، جب ہم دین میں اخلاص کا حق ادا نہیں کر سکتے دنیا میں کیا ہم کریں گے ؟! اس لیے مسلمان کی کامیابی دنیاوی اُمور میں نہیں ہے۔ حدیث میں کیا آیا ہے یہ دنیا مومن کے لیے کیا ہے ؟ قید خانہ ہے (جیل ہے)، کافر کے لیے جنت ہے۔

کافر جنت میں کیا کرے گا؟ کبھی سوچا ہے کہ کافر کی جنت کیوں ہے ؟ مخلص ہے وہ اپنی دنیا کے لیے اپنی دنیا میں اخلاص سے بڑی محنت سے کام کرتا ہے۔

ایک سوال کیا گیا شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ سے مجھے یاد آگیا، جو مرغی باہر بنتی ہے کافی سوالات اٹھتے ہیں۔ جو مرغی باہر سے آتی ہے کیسے ذبح کرتے ہیں یہ لوگ؟ یہاں پر یوز (use) ہوتی ہے کیا کرنا ہے کیسے کرنا ہے؟ مختلف اس میں آراء ہیں۔ تو شیخ صاحب نے بڑی پیاری بات فرمائی کیونکہ بات یہ تھی کہ کوئی ٹیم وہاں پر گئی تھی لَجنہ گیا تھا دیکھا تھا کہ بھئی جو اُن کا سلاٹر ہاؤس (Slaughterhouse) ہوتا ہے بجلی سے اس کو کرنٹ نہیں لگاتے، کیونکہ کچھ لوگوں نے کہا کہ کرنٹ لگاتے ہیں مر جاتے ہیں تو مردہ ہوتا ہے بعد میں ذبح کرتے ہیں۔ تو انہوں نے بڑی پیاری بات فرمائی جواب کے بیچ میں جو اصل بات ہے، انہوں نے فرمایا "کہ کافر جو ہے اس کو دنیا کی فکر ہوتی ہے وہ جھوٹ نہیں بولے گا"۔ کیونکہ کسی نے کہا وہ جھوٹ بولتے ہیں، کرتے یہ ہیں کہ جب ٹیم گئی تھی تو انہوں نے اُس کو ہٹا دیا اُن کا جو جال تھا بجلی والا تو بس دھوکا دینے کے لیے۔ تو بڑی پیاری بات فرمائی: "کہ کافر جو ہے وہ اپنے کاروبار میں جھوٹ نہیں بولتا یا وہ جھوٹ نہیں بولے گا اس کو پتہ ہے کہ اگر میں جھوٹ بولوں گا جھوٹ پکڑا گیا تو بزنس میرا چلا جائے گا، تو اپنی دنیا کو بچانے کے لیے وہ کوشش کرتا ہے جھوٹ نہ بولے"۔

اس لیے وجہ کیا ہے ؟ کہ وہ مخلص ہے اپنے کام میں۔ اُس کے پاس دنیا کے سوا ہے کیا؟! اس لیے وہ اپنی دنیا کے پیچھے لگا رہتا ہے اور (نعوذ باللہ) یہ دنیا اُن کے لیے عذاب بن جاتی ہے کیونکہ جو اپنے ربّ کے سامنے جھکنا نہیں جانتا پھر ہر چیز کے سامنے جھک جاتا ہے وہ یہاں تک کہ دنیا کا غلام بن جاتا ہے!

الغرض، پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: اِن دونوں آیتوں کو آپ کیسے جمع کریں گے، ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿فَلَا تَضۡرِبُوۡا لِلّٰهِ الۡاَمۡثَالَ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ﴾ (النحل:74)، اور دوسری آیت میں: ﴿فَلَا

﴿ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ (پس تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ انداد (شریک) مت بناؤ جبکہ تم جانتے ہو)(البقرۃ:22)؟!

ایک آیت میں علم کی نفی ہے﴿وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾،دوسری آیت میں علم کا اثبات ہے ﴿وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ کیا فرق ہے دونوں میں؟ کس چیز کی نفی کس چیز کا اثبات ہے؟

جب اللہ تعالیٰ نے مثل کو بیان فرمایا ہے(مثلیت کا بیان فرمایا ہے)﴿ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾،کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات تک رسائی کسی کی بھی نہیں ہے سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ کوئی وہاں تک رسائی کرے کوئی جان سکے! ہمیں جو بھی علم ہے وہ علم غیب سے پتہ چلا ہے وحی کے ذریعے سے پتہ چلا ہے۔

﴿ وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ جس کو ثابت کیا گیا ہے وہ کون سا علم ہے؟ ہم خوب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک ہے ہی نہیں۔ یقیناً جانتے ہیں کہ نہیں؟ جیسے میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ اِلہ حق جو ہے وہ ایک ہی ہے اللہ تعالیٰ ہے، باقی جتنے بھی معبودات ہیں آلہ ہیں سب باطل ہیں۔

عقلی دلیل بھی آگئی ہے کہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ایک سے زیادہ اِلہ کا امکان ہو کیونکہ کیا ہوگا؟ فساد برپا ہو جائے گا۔

اور یہ بھی شیخ صاحب فرماتے ہیں: کہ اثبات العلم جو ہے وہ خاص ربوبیت کے لیے ہے، اور نفی جو ہے وہ الوہیت کے باب میں ہے، جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کر بیٹھے تو جاہل قرار دے دیا۔

اور اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کا اس سے ثبوت ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسی کوئی چیز بھی نہیں ہے۔

اور مسلکی فائدہ جو ہمیں ملتا ہے اس آیت میں "اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا کمال"، جب ہم یہ خوب جان لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز بھی نہیں ہے تو ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ سے مزید بڑھ جاتا ہے۔ ہماری محبت اللہ تعالیٰ سے، ہماری امید، ڈر، تعظیم، اِن سب چیزوں میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اور ہم یہ خوب جان لیتے ہیں کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے مثل نہیں ہے نہ سلطان میں نہ ملک میں، یعنی اللہ تعالیٰ کے کوئی بھی برابر نہیں ہے نہ دنیا کا کوئی بادشاہ، نہ وزیر نہ رئیس، کوئی بھی نہیں۔ جتنی بھی اُن کی مملکت بڑی ہو یا وزارتیں بڑی ہوں تو نا ممکن ہے کہ اُن میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے مثل ہو سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مثل کوئی چیز بھی نہیں ہے۔

بارہویں آیت اور آخری آیت اس باب میں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾(الاعراف:33)۔

﴿قُلْ﴾: خطاب ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے، یعنی اعلان کریں اس بات کا کہ ﴿اِنَّمَا﴾ "أداة حصر" (یعنی صرف اور صرف)۔

﴿حَرَّمَ﴾: (اللہ تعالیٰ نے حرام بیان فرمایا ہے)، اور جو لفظ ہے حرام کا لفظ یہ "ح ر م" یہ جو حروف ہیں یہ منع کے لیے بیان کیے جاتے ہیں۔ جس کسی چیز سے منع کرنا ہو تو پھر یہ لفظ بیان ہوتا ہے، اور عربی میں حریم البئر کہتے ہیں اس زمین کو جس میں یعنی آپ منع کرتے ہیں کوئی پہنچنے کے لیے۔

﴿الْفَوَاحِشَ﴾: جمع فاحشہ ہے، یہ وہ گناہ ہیں جو نفس میں انسان جن کو بڑا سمجھتا ہے (بہت بڑی چیز بہت بڑا گناہ) جیسا کہ زناکاری ہے، لواط بدکاری وغیرہ۔

زنا کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً﴾إلى آخر الآية(الاسراء:32)۔اور لواط میں فرمایا ہے: ﴿اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ﴾(الاعراف:80)۔تو دونوں کو اللہ تعالیٰ نے فاحشہ کے لفظ سے بیان فرمایا ہے (زنا کو بھی اور لواط کو بھی)۔

اور زناکاری میں سے یہ بھی ہے کوئی شخص اگر ایسی عورت سے شادی کرے جو اس کی قریبی رشتے دار ہو رضاع یا مصاہرہ کی وجہ سے جو اُس کے لیے حلال نہیں ہے۔ ایسی عورت جو اُس کے لیے حلال نہیں ہے کسی خاص رشتے داری کی وجہ سے جیسا کہ رضاعی بہن مصاہرہ کی وجہ سے (یعنی بہو وغیرہ جیسے ہے)، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا﴾(النساء:22)۔

زناکاری زیادہ بڑا گناہ ہے یا اُن لوگوں سے شادی کرنا جو آپ پر حرام ہیں؟ ایک کسی عورت سے زنا کرنا کبیرہ گناہ ہے، دوسری طرف اُس عورت سے نکاح کرنا شادی کرنا جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اِن دونوں میں سے کون سا زیادہ بڑا گناہ ہے پہلا یا دوسرا؟ دوسرا۔

کیا دلیل ہے؟ دیکھیں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جب اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے زنا کے تعلق سے ﴿إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً ۖ وَسَآءَ سَبِيلًا﴾ (الاسراء:32)۔جب اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اُن عورتوں سے نکاح کرنے سے جو حرام ہیں، فرمایا: ﴿إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَسَآءَ سَبِيلًا﴾ (النساء:22)۔کیا زیادہ ہے اس میں؟ ﴿وَّمَقْتًا﴾ زیادہ ہے۔اس کا مطلب یہ کیا ہے؟ یہ گناہ بھی اُس سے بڑا زیادہ ہے اگرچہ نکاح ہوا ہے، وہاں پر نکاح نہیں ہے یہاں پر نکاح بھی ہوا ہے لیکن اس کی حرمت اور جرم اور گناہ اس سے بڑھ کر ہے! (سبحان اللہ)۔

﴿ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ﴾: (وہ فحاشی اور گناہ چاہے ظاہر ہو یا باطن ہو)۔کوئی چھپ کر کرے یا کوئی علانیہ کرے ،ان تمام سے منع کیا ہے۔

پھر ﴿ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾: ہر وہ چیز یا ہر وہ گناہ یا ہر ایسا عمل جو باعث گناہ ہو اور زیادتی ہو۔"اِثم" گناہ، اور "بغی" زیادتی ہے "بغير الحق"۔اِثم جو ہے یہ گناہوں کے سبب کی وجہ سے ہوتا ہے "گناہ": جب انسان کوئی نافرمانی کرتا ہے تو پھر وہ گناہ کی وجہ سے پکڑ کا مستحق ہو جاتا ہے گناہ گار ہو جاتا ہے۔

"البغي: العدوان على الناس": زیادتی کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ (الشوریٰ:42)۔

﴿وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾: یہ اشارہ ہے کہ ہر بغی بغیر حق ہے۔

اچھا یہ فرمایا ہے ذرا غور کریں ﴿وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ کیا زیادتی حق کے ساتھ بھی ہوتی ہے؟ تو بغیر حق کیوں فرمایا؟ اس آیت میں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ بغیر حق (زیادتی) سے منع کیا ہے حرام ہے، اچھا حق کی بات میں اگر کوئی زیادتی کرے تو جائز ہے کیا؟ اس سے کیا یہ مراد ہے کہ بغی اور زیادتی کی دو قسمیں ہیں ایک بغیر حق ہے ایک بحق ہے کہ نہیں؟

جواب: بغی کی کتنی قسمیں ہیں؟ بحق اور بغیر حق، یا بغیر حق؟ کبھی حق کی بنیاد پر ہوتا ہے کوئی گناہ؟ ہمیشہ ناحق ہی ہوتا ہے نا! تو پھر یہ ﴿بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ کیوں فرمایا ہے؟ اسے کہتے ہیں صفة کاشفة۔

غَیر کا لفظ زیادہ ہے﴿بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ اصل میں ہمیشہ بغیر حق ہی ہے،﴿بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ ہے بغی، بغی ہمیشہ ناحق ہوتا ہے۔ یہ صفۃ کاشفۃ ہے یا وصف کاشف بھی کہتے ہیں، یہ اُس وقت بیان کیا جاتا ہے جب تعلیل مراد ہو کہ یہ کیوں ناحق ہے یا کیوں جائز نہیں ہے۔

ایک گناہ ہے ہم جانتے کہ گناہ ہے اور ناحق ہے، بعض اوقات اللہ تعالیٰ خاص "بغیر حق"،﴿وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾(البقرۃ:61)، بنی اسرائیل کے بارے میں سورۃ البقرۃ میں۔

کیا کبھی حق ہو سکتا ہے نبی کا قتل؟﴿بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ کیوں بیان فرمایا ہے؟ کیونکہ یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ ہمیشہ بغیر حق ہی ہوتا ہے۔ جتنی بھی آپ جسٹی فیکیشن (Justification) کرنے کی کوشش کریں بغیر حق ہی ہوتا ہے، سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

واضح ہے کہ صفۃ کاشفۃ تعلیل کو بیان کرنے کے لیے خاص بیان کیا جاتا ہے، بغی ہمیشہ بغیر حق ہی ہوتا ہے، زیادتی ہمیشہ زیادتی ہوتی ہے، کوئی جسٹی فیکیشن (Justification) کرنے کی کوشش کرے کہیں سے کوئی بات لے کر آئے تو بغیر حق ہی ہو گا، جتنے بہانے بنائے جتنی بھی دلیلیں پیش کرے زیادتی زیادتی ہوتی ہے اور ناحق ہی ہوتی ہے۔

پھر فرمایا:﴿وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا﴾: یہ آیت پہلے پیج میں گزر چکی ہے، یعنی یہ بھی حرام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔

﴿مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا﴾: سلطان مطلب حجت، کوئی دلیل: یعنی تمہارے پاس کوئی دلیل ہے ہی نہیں، بغیر دلیل کے کیوں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہو۔

اچھا یہ کیوں بار بار بیان فرمایا ہے جب ہمیں پتہ ہے کہ اس کی کوئی دلیل ہی نہیں ہے﴿مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا﴾؟ یعنی اگر کوئی سلطان ہو تو پھر شرک کریں گے؟! سلطان نہیں ہے تو شرک نہیں کریں گے یہ تو پکی بات ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے﴿وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا﴾۔ اگر کوئی سلطان ہو تو پھر شرک کریں گے؟ شرک تو ہر صورت میں شرک ہی ہے نا، کوئی حجت کوئی برہان ہے ہی نہیں شرک پر اور تمام کی نفی کی گئی ہے۔

تو پھر کیوں فرمایا یہاں پر ﴿مَا لَمۡ يُنَزِّلۡ بِهٖ سُلۡطٰنًا﴾؟ جیسا کہ ابھی "بغیر حق" کی بات کی ہے یہاں پر بھی وہی ہے خوبصورت انداز میں، جب بغی کو بیان فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ﴿بِغَيۡرِ الۡحَقِّ﴾ اور صفۃ الکاشفۃ بیان فرمائی ہے اُس کی تعلیل بھی بیان فرمائی ہے۔ بالکل اسی طریقہ سے جب شرک جو اس سے بڑا گناہ ہے۔

بغی بڑا گناہ ہے (ظلم و زیادتی کرنا) یا شرک بڑا گناہ ہے؟ جب بغی کو اس طریقے سے اس انداز میں بیان کیا ہے ﴿بِغَيۡرِ الۡحَقِّ﴾ ہمیشہ ہوتا ہے تو شرک بھی ہمیشہ بغیر دلیل کے ہی ہوتا ہے، سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ کوئی شخص شرک کرے اور کہے میرے پاس اس کی کوئی دلیل ہے، ہمیشہ شرک بھی بغیر سلطان اور برہان کے ہی ہوتا ہے، اس لیے اپنی آنکھیں کھولو اور شرک چھوڑ دو اصل پیغام یہ ہے، کیونکہ زیادتی سب جانتے ہیں، زیادتی کرنے والا کافر ہی کیوں نہ ہو وہ بھی جانتا ہے کہ میں غلط کر رہا ہوں لیکن شرک کرنے والا جو اپنے آپ کو مومن کہتا ہے اور بڑے متقی پرہیزگار کہتے ہیں کیا وہ جانتے ہیں کہ وہ شرک کر رہے ہیں؟

اس لیے جب تم اچھی طرح جانتے ہو کہ بغی بغیر حق ہوتا ہے تو تم اچھی طرح یہ بھی سمجھ لو کہ شرک بھی بغیر دلیل، برہان کے ہی ہوتا ہے ﴿مَا لَمۡ يُنَزِّلۡ بِهٖ سُلۡطٰنًا﴾۔

یہ کافی نہیں تھا کہ شرک حرام ہے ﴿وَاَنۡ تُشۡرِكُوۡا بِاللّٰهِ﴾؟ بات محرمات کی ہو رہی ہے نا ﴿قُلۡ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّىَ الۡفَوَاحِشَ﴾ إلی آخرِہ، یہاں پر فرمایا ﴿وَاَنۡ تُشۡرِكُوۡا بِاللّٰهِ﴾: سب معطوف ہیں حرام پر یعنی یہ بھی حرام ہیں۔

﴿وَاَنۡ تُشۡرِكُوۡا بِاللّٰهِ﴾ کافی تھا نا؟ کافی تو ہے لیکن خوبصورتی دیکھیں انداز بیان کی کہ جب بغی ﴿بِغَيۡرِ الۡحَقِّ﴾ بیان فرمایا ہے اور اچھی طرح پڑھنے والا دیکھ رہا ہے اور سننے والا سن رہا ہے کہ بغی ﴿بِغَيۡرِ الۡحَقِّ﴾ ہوتا ہے تو پھر فوراً جھٹکا لگتا ہے ﴿وَاَنۡ تُشۡرِكُوۡا بِاللّٰهِ مَا لَمۡ يُنَزِّلۡ بِهٖ سُلۡطٰنًا﴾، بغی (زیادتی) تو نہیں کرتے ہو کیونکہ آپ جانتے ہو ہمیشہ بغیر حق ہے لیکن شرک پھر کیوں کرتے ہو جبکہ آپ کو پتہ ہے کہ اس کی کوئی دلیل کوئی برہان کوئی حجت باقی نہیں ہے؟ (سبحان اللہ)۔

آخر میں: ﴿وَّاَنۡ تَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ﴾: یہ بھی حرام ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی بھی ایسی بات کریں جو آپ نہیں جانتے۔

بغیر علم کے بات کرنا چاہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے تعلق سے ہو، یا اللہ تعالیٰ کے اسماء کے تعلق سے ہو، یا صفات کے تعلق سے ہو، یا افعال یا احکام کے تعلق سے ہو، اِن تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے منع فرمایا ہے۔

اور اس میں مشرکین کا ردّ بھی ہے جو انہوں نے اُس چیز کو حرام قرار دیا جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا ہے (بغیر علم کے کسی چیز کو حرام کرنا)۔

اگر کوئی شخص یہ کہے (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں) صفۃ السلبیۃ کہاں ہیں اِن آیات میں؟

ہمارا موضوع کیا ہے؟ صفات سلبیۃ کا (صفات منفیۃ) کی بات کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے تعلق سے۔

تو یہاں پر کہاں پر ہے صفۃ السلبیۃ یا منفیۃ؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾:

یہ دونوں جو ہیں صفات السلبیۃ میں سے یا منفیۃ میں سے ہیں، یعنی: ﴿وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ ہیں اور واحد سچا معبود ہے۔

﴿وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾: اسی طریقے سے "لكماله، فإنه من تمام سلطانه": تو کوئی بھی شخص اللہ تعالیٰ کے تعلق سے کوئی بات بغیر علم کے نہیں کر سکتا، اگر کرے گا تو اُس پر حرام ہے جائز نہیں ہے۔

جو مسلکی فائدہ ہے ان آیات میں ہمیں ملتا ہے کہ ہمیں ان تمام پانچ چیزوں سے جن سے ہمیں منع کیا گیا ہے اور حرام ہیں اِن تمام چیزوں سے بچنا چاہیے، اور اہل علم نے یہ فرمایا ہے کہ یہ جو پانچ چیزیں ہیں تمام جتنی بھی شریعتیں موجود ہیں تمام شریعتوں کا اجماع ہے ان پانچ چیزوں کی حرمت پر کہ یہ پانچ چیزیں حرام ہیں جن کا ان آیات میں ذکر ہے۔

اور اس میں ہر وہ چیز داخل ہے "القول على الله بغير علم" جن میں تحریف ہے نصوص کتاب اور سنت کی صفات کے باب میں اور ان کے علاوہ بھی (شریعت کے کسی معاملے میں بھی)۔

اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی صفات میں تحریف سے کام لیتا ہے یعنی تاویل کے نام پر جیسے کہتے ہیں، وہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھوں سے مراد جو ہے وہ نعمت ہے، تو اُس نے اللہ تعالیٰ کے تعلق سے بغیر علم کے بات کی ہے دو طریقے سے:

1-پہلا طریقہ یہ ہے اُس نے نفی کی ہے ظاہر لفظ کی بغیر علم کے (ہاتھ کا معنی ہاتھ ہی ہوتا ہے)۔

2-دوسرا،اللہ تعالیٰ کے لیے وہ چیز ثابت کی ہے جو بغیر دلیل کے ہے۔

تواسی طریقے سے وہ یہ کہتا ہے "کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ نہیں فرمایا،وہ ارادہ نہیں فرمایا"۔تو ہم کہتے ہیں کہ دلیل کیا ہے تمہاری کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ نہیں تھا یا وہ ارادہ نہیں تھا؟اگر تم دلیل نہیں لے کر آتے تو یقیناً تم نے اللہ تعالیٰ پر بغیر علم کے بات کی ہے۔

تو یہ تمام صفات منفیۃ جن کا ذکر کیا گیا ہے اور بارہ آیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بیان کی ہیں اور اسی سے ہی جو اسماء وصفات کے باب کے تعلق سے جو چیزیں بیان کی ہیں جن کا اختتام شیخ الاسلام نے صفات منفیۃ سے کیا ہے یہاں پر اتنا کافی ہے،اور اگلے درس سے جو بعض خاص صفات ہیں اُن کا ذکر ہو گا ان شاء اللہ اور سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی "صفۃ استواء علی العرش" (اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے) اور بہت اہم باتیں ہیں اگلے درس میں ان شاء اللہ بیان کریں گے جن میں میں نے یعنی جو تفصیل اور پیارے انداز سے جیسے ہم پہلے بھی دیکھ رہے ہیں اس کتاب میں ماشاءاللہ بہت ساری چیزیں تفصیل سے بیان کی گئی ہیں،استواء علی العرش کے تعلق سے جو اہم باتیں ہیں وہ آپ کو یہاں پر ملیں گی اگلے درس میں ان شاءاللہ بیان کریں گے۔

((واللہ أعلم))۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ. أَشْهَدُ أَنْ لا إِلهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضی بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (49.العقیدۃ الواسطیۃ) سے لیا گیا ہے۔سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست نہیں کیا گیا ہے۔قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔

mp3 Audio